ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

پیارے نبی کی



پیاری نصیحتیں

از

جلال الدین قاسمی

اِنتساب

محبت و شفقت کے اُس شجرِ سایہ دار کے نام
جو خود حالات کی کڑی دھوپ سہہ کر میرے
لیے شعور و آگہی کی منزلوں تک پہنچنے کے
راستے ہموار کرتا رہا۔
میری مراد اس سے میرے والدِ محترم
مطیع اللہ صاحب ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ویسے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں اور نصیحتیں اپنے موقع و محل میں نہایت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔ اور آپ کے ارشادات و فرمودات وہ مشعلِ ہدایت ہیں، جن کی روشنی میں انسان کو اپنی فلاح و بہبود کی منزلیں نظر آتی ہیں۔ آپ کی ہر ایک نصیحت میں اسرار و حکم کے سمندر موجزن ہیں۔ آپ کا کوئی بھی ارشاد حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی مقدس زبان وحی ترجمان ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے وہی باتیں نکلتی ہیں۔ جو اللہ چاہتا ہے۔ " وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی " اس لیے آپ کا ہر قول اور فرمان، انسان کے لیے متاعِ دنیا و آخرت ہے۔ لیکن اس کتاب میں آپ کی اُن پُر از حکمت نصیحتوں کے گوہر ہائے آبدار کو لفظوں کی لڑی میں پرونے کے لیے دستِ قلم کو جنبش دے رہا ہوں۔ جو آپ کی دیگر عظیم نصیحتوں کے مقابلے میں بہت اہم اور افادی حیثیت سے نہایت عظیم ہیں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں اور میں اپنی اس جسارت میں حق بجانب ہوں کہ اگر امتِ مسلمہ ان پانچ عجیب و غریب نصیحتوں کو حرزِ جان بنا کر ان پر عمل کرے تو ہمارے معاشرے کی غلیظ وادیاں رشکِ بہشت بن جائیں۔ اور ہمارے بھٹکے ہوئے افکار و تصورات صحیح ڈھرے پر لگ جائیں۔ اور ہمارے عادات و اطوار، چال چلن، رہن سہن یہاں تک کہ ہماری زندگی کے ہر گوشے میں ایک انقلابِ عظیم

بڑھا ہوجائے اور ہم پھر اپنی کھوئی ہوئی قیادت دوبارہ حاصل کرلیں۔
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے
درمیان جلوہ فرما تھے کہ اچانک آپؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور مجلس میں
موجود تمام لوگوں کے چہروں پر نظر دوڑائی اور بڑے ناصحانہ اور خیرخواہانہ
انداز میں فرمایا۔ "کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جسے میں کچھ قیمتی باتیں
بتاؤں، جنھیں وہ اولاً خود یاد کرکے ان پر عمل کرے۔ اور دوسرے لوگوں
تک بحفاظت پہنچا دے۔ تاکہ وہ بھی اس پر عمل کرسکیں۔ صحابہ کرامؓ کے
درمیان خاموشی چھائی رہی۔ تبھی حضرت ابوہریرہؓ کھڑے ہوگئے
اور بولے کہ حضورؐ آپ وہ قیمتی باتیں ارشاد فرمائیں۔ میں انشاء اللہ
حتی الوسع ان پر عمل کروں گا۔ اور انھیں بحفاظت دوسرے لوگوں تک
بھی پہنچاؤں گا۔ تاکہ وہ بھی ان باتوں پر عمل کرکے سعادت سے بہرہ ور
ہوں۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا۔ کیا
تم میں کوئی ایسا شخص ہے، جسے میں کچھ قیمتی باتیں بتاؤں، جنھیں وہ
محفوظ کرلے، ان پر عمل کرے اور بحفاظت لوگوں تک پہنچا دے تاکہ
وہ بھی ان پر عمل کرسکیں۔ اب کی بار بھی حضرت ابوہریرہؓ ہی کھڑے ہوئے اور
عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ آپ وہ قیمتی باتیں مجھے بتائیں۔ میں انھیں
یاد کروں گا۔ ان پر عمل کروں گا اور دوسروں تک پہنچا دوں گا۔ تاکہ وہ لوگ
ان پر عمل کرسکیں۔ حضورؐ نے اس بار بھی قدرے توقف فرمایا۔ اور پھر
اپنا وہی ارشاد دہرایا۔ جو اس سے قبل دو مرتبہ فرما چکے تھے۔ صحابہ

کرام رضہ میں سے اور کوئی نہ بولا۔ اس بار بھی حضرت ابو ھریرہ رضہ ہی کھڑے ہوئے، اور وہی یاد کرنے، اُن پر عمل کرنے اور ان قیمتی باتوں کو دوسروں تک پہنچانے کی بات دہرائی۔ جو اس سے پہلے وہ دوبار کہہ چکے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وہی بات تین مرتبہ کیوں دھرائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو کوئی بڑی اور غیر معمولی بات ارشاد فرمانی ہوتی تو لوگوں کی توجہ اپنی طرف مکمل مرکوز کرانے کے لیے اپنی بات کئی بار ارشاد فرماتے۔ اس طرح لوگ بالکل حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ اور حضور ﷺ اپنی بات بیان فرماتے۔ جسے تمام حاضرین سنتے۔ اور بات کی اہمیت کو سمجھ کر اسے اپنے نہاں خانۂ دل میں محفوظ کر لیتے۔ یہاں اس مقام پر بھی یہی ہوا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ جو نصائح صحابہ کرام رضہ کے گوش گذار کرنا چاہتے تھے حقیقتاً بہت اہم اور عظیم تھیں، اور اسی مقصد کی وجہ سے تین بار اپنی طرف تمام حاضرین کو متوجہ فرمایا۔

یہاں ایک اور سوال اٹھتا ہے۔ جس کا جواب قارئین سمجھ لیں، تو اُن کے لیے بہت مفید ہوگا۔ یہ کہ حضور ﷺ کے سوال پر ہر بار حضرت ابو ھریرہ رضہ ہی کیوں کھڑے ہوئے، حالانکہ آپ کے پاس دیگر صحابہ کرام رضہ بھی تشریف فرما تھے۔ ان میں سے کوئی کیوں نہ اٹھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ مقرر ہے کہ تمام صحابہ کرام رضہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات و اقوال کو نوٹ کرنے، انھیں یاد کرکے دوسروں تک پہنچانے اور خود اُن پر عمل کرنے کے بیحد شوقین اور دلدادہ تھے اور ہر ایک

صحابی رضؓ اپنی جگہ حضورؐ سے بے پناہ الفت و محبت و عقیدت رکھتا تھا،
لیکن صحابہ کرام رضؓ میں ہر طرح کے آدمی تھے۔ جن میں کچھ زراعت پیشہ،
کچھ تجارت پیشہ، کچھ مزدور پیشہ تھے۔ لہذا کچھ صحابہ رضؓ اپنی مشغولیت اور
مصروفیت کی وجہ سے ہفتوں بارگاہِ نبویؐ میں حاضری نہ دے سکتے
تھے۔ کچھ صحابہ رضؓ کوشش کرکے ہر تیسرے چوتھے دن حضورؐ کے پاس حاضر ہوا
کرتے۔ کچھ ذات جمعہ جمعہ، کچھ لوگ جو شہر سے باہر دور دیہی علاقوں
میں رہتے تھے، کبھی کبھی مہینے پندرہ دن میں آپاتے تھے۔ اور اس موقع
پر جو عظیم ذمہ داری حضورؐ پر ڈال رہے تھے۔ اس ذمہ داری کو اٹھانے
کے لئے وہی شخص موزوں اور مناسب تھا، جس کے پاس مصروفیتیں اور
مشغولیات کم ہوں جو برابر صحبتِ نبویؐ سے فیضیاب ہوتا ہو اور ہر وقت
آپؐ کی ہر ادا نوٹ کرنے کا موقع رکھتا ہو۔ نیز ایک گونہ فارغ البال
بھی ہو، اور ان تمام موجود صحابہ کرامؓ میں اس وقت صرف ابوہریرہؓ ہی
ایسے شخص تھے، جنھوں نے اپنے آپ کو اسی کے لیے فارغ کر دیا تھا کہ ہر
وقت درِ نبویؐ پر حاضری دیں۔ اور وہاں جو کچھ ملاحظہ فرمائیں، خود عمل
کریں۔ اور دوسروں تک پہنچانے کا شرف حاصل کریں۔ یہاں اثنائے کلام
پر جب حضرت ابوہریرہؓ کا تذکرہ ضمناً آگیا تو قارئین کے سامنے ایک
بات رکھتا چلوں کہ ابوہریرہؓ اصحابِ صفہ جیسی مقدس و مبارک جماعت
کے وہ اہم اور عظیم فرد ہیں، جو علومِ نبوت کو حاصل کرنے کے لیے ذات
نبویؐ کے پیچھے سائے کی طرح لگے رہتے تھے۔ علومِ نبوتؐ کی تحصیل

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا نوٹ کرنے کی اُن پر ایسی دھن سوار رہتی تھی کہ اس دھن اور وارفتگی و شیفتگی میں کھانے تک کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ کئی کئی وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ لیکن خوددار ایسے تھے کہ بھوک کی حد درجہ شدت پر بھی کھلے مُنہ کسی کے سامنے سوال نہیں کرتے تھے۔ ابوھریرہؓ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو احادیث کا ایک بیش قیمت ذخیرہ ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ اور ہم اس عظیم نعمت سے محروم ہو جاتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوھریرہؓ نے خود فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ابوھریرہ احادیث بہت روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اِن اوقات کو بھول جاتے ہیں، جب دوسرے لوگ اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور ابوھریرہؓ بھوکا پیاسا کبھی مسجد نبویؐ میں، کبھی گلی کوچوں میں، کبھی درِ نبویؐ پر پڑا رہتا تھا۔

حضرت ابوھریرہؓ کے تینوں بار کہنے سے پہلے ہی نبی کریمؐ نے حضرت ابوھریرہؓ کا ہاتھ پکڑا! اور نمبر وار پانچوں قیمتی نصیحتوں کو بیان فرمانا شروع کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ

ترجمہ:۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے دور رہو۔ تو سب سے بڑے عابد ہو جاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انسان کے پیدا کئے جانے کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ جیسا کہ قرآن اس حقیقت کو آشکارہ کر رہا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (میں نے انسان اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) اور جس طرح انسان کی ایک حیثیت عبد یعنی بندہ اور غلام ہونے کی ہے۔ دوسری حیثیت اللہ کے نائب ہونے کی بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے (اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں اپنا ایک نائب پیدا کرنے جا رہا ہوں) اور عبادت الٰہی اور نیابت الٰہی دونوں عبارت ہیں، اس بات سے کہ انسان اپنی زندگی خدا کی مرضی کے مطابق گذارے زندگی کے کسی بھی گوشے میں اللہ کے حکم سے یک سر موسرتابی نہ کرے، اور ہر آن وہ یہ بات پیش نظر رکھے کہ کہیں مجھ سے کسی وقت ایسا قول و فعل سرزد نہ ہو جائے، جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو، عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ آسان انداز میں یوں سمجھ لینا چاہیے کہ عبادت کے معنی غلامی کے ہیں۔ اور غلام کا یہ فرض ہے کہ اپنے کی ہر مراد آقا کی مرضی کے مطابق بنالے۔ اور اس کے منشاء کے مطابق اپنی زندگی گذارے۔ ہمارے درمیان آج عبادت کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ نمازیں پڑھ لی جائیں۔ روزے رکھ لئے جائیں، زکوٰۃ ادا کر دی جائے، حج کر لیا جائے۔ اسی طرح تھوڑی بہت تسبیحات کا ورد کر لیا جائے۔ تو حق عبادت کی تکمیل ہو گئی۔

اگر آپ کے ذہنوں میں عبادت کا یہی تصور بسا ہوا ہے تو اس بچگانہ تصور کو ذہنوں سے پرے دھکیل دیں۔ کیونکہ عبادت کا صحیح مفہوم و مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے تمام حکموں کا مطیع و منقاد ہو جائے۔ اس کے ہر امر پر سر تسلیم خم کر دے، اور اس نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور حرام ٹھہرایا ہے، ان کے قریب نہ پھٹکا جائے۔ کیونکہ ایک انسان نماز پنجگانہ کا پابند ہے۔ روزوں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائی بھی بلاچون وچرا کرتا ہے۔ مگر اس کے دیگر دینی و دنیوی معاملات اچھے نہیں ہیں۔ مثلاً اپنے اعمال و اخلاق میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا۔ اور ان میں اللہ کی ہدایات کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ تو اللہ کی نظر میں اس کی ساری عبادتیں کھوٹے سکے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے قیامت کے بازار میں کوئی چیز خریدی نہیں جاسکتی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کو قبول کرتا ہے، اسے رد نہیں کرتا۔"

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے ڈر کیونکہ اس کی دعا کے وقت اللہ کے دربار سے قبولیت استقبال کے لیے آتی ہے۔ لیکن جس شخص کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا حرام کا ہو تو ایسے آدمیوں کی دعا

ایسی معصیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

شریعت حقہ نے انسانوں کو منکرات سے جو روکا ہے، اور اس پر پابندی لگائی ہے، وہ فضول و بیکار یا محض تکلف نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں انسان کی اخلاقی، سماجی، اقتصادی، روحانی، جسمانی، دینی اور دنیوی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ کہ اگر انسان اس پابندی کو قبول کرلے تو اسکی زندگی کے تمام شعبے نکھر جائیں۔

ویسے شریعت میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی فہرست کافی لمبی ہے، چیزوں کی تفصیل اس چھوٹے سے رسالے میں ممکن نہیں۔ یہ کلی طور پر سمجھ لینا کافی ہے کہ محرمات میں سے کسی بھی ایک حرام کردہ شے کے نفع و ضرر کی تحقیق و تلاش کریں گے اس کے نتیجہ اور خلاصے پر غور و فکر کریں گے تو آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجائیگی، کہ اسلام کی لگائی ہوئی پابندیاں اور اس کے قائم کردہ حدود، انسانی ترقی کی راہ میں روڑا نہیں بلکہ ان میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و کامرانی کے اسرار مضمر ہیں۔

مثلاً اسلام دولت کمانے سے نہیں روکتا۔ بلکہ اسلام تو تحصیل دولت کے ضابطے تک بتاتا ہے۔ اسلام میں مال کی یک گونہ اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر مسلمان کے پاس دولت نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے کریگا، صدقہ و خیرات اور دیگر نیک کاموں میں حصہ کیسے لے سکے گا۔ خود ماجد ابراہیم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ فقر کو اپنا فخر سمجھا ہے، لیکن تحصیل مال پر بندش نہیں لگائی۔ خود آپ نے تجارت کو بہترین پیشہ قرار دیا۔ خود بھی تجارت کی۔ اور منافع کثیر حاصل کئے۔ حجۃ الوداع میں اونٹوں کی ایک کثیر تعداد کی قربانی اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کے پاس بھی کبھی کثیر مقدار میں مال ہوتا تھا۔ لیکن اسلام نے دولت کے دونوں پہلوؤں کے دائرے اور حدود مقرر کئے اور دونوں پہلوؤں کی نشاندہی کر کے ان کی توضیح کی کہ تحصیل مال کے وہ تمام دروازے اسلام کے فرماں برداروں کے لیے بند ہیں جن میں ایک فریق کو نفع اور دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے۔ چوری چکاری، دھوکا دھڑی، ڈاکہ، جوا، جھوٹ، مکاری، کم تول کر دینا، زیادہ تول کر لینا اور دیگر چیزیں جو دجل و فریب کے دائرے میں آتی ہیں۔ اسلام نے ان تمام راستوں کو ناپسند کیا، اور ایسے تمام طریقوں پر حرمت کا حکم چسپاں کیا۔ آج کی نام نہاد تہذیب یافتہ اور ننگ انسانیت قومیں اسلام کے مذکورہ بالا تمام حرام کردہ افعال کو اختیار کر رہی ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ ان پر فخر بھی کر رہی ہیں۔ ایسی قوموں کے معاشروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ گندگیوں کے ڈھیر بنے ہوئے ہیں جن کے تعفن اور سڑاند سے روح انسانیت کا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ ایسے معاشروں میں جینے والے افراد کے چہرے بظاہر

خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن باطن اتنے گھناونے ہیں کہ جس کے تصور سے ایک صالح طبیعت انسان کو متلی ہونے لگتی ہے، ایسا معاشرہ بے ضمیر ہے۔ اور سکون وسلامتی، اطمینان وچین سے یکسر خالی ہے۔ لیکن وہ معاشرہ جو ان آلائشوں سے پاک ہے تا ایک حد تک پُر امن ہے۔ ان کی زندگی میں ایک انجانے تمناؤں کے بجائے طمانیت اور ٹھہراؤ ہے۔ یہی حالت دولت کے دوسرے پہلو کی ہے۔ کہ اس کی تحصیل کے بعد اس کا مصرف کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اسلام اس بات کا سخت مخالف ہے کہ مال کو غلط جگہوں میں خرچ کیا جائے۔ بلکہ اس نے مال کے خرچ کرنے کے مواضع بتائے ہیں۔ مثلاً اسے فقراء ومساکین، یتیموں بیواؤں پر اور دیگر نیک جگہوں میں خرچ کیا جائے نہ کہ لہو ولعب اسراف وتبذیر، قمار وعیاشی میں لگایا جائے۔ اسی طرح سماجی زندگی کے کسی پہلو کو لے لیا جائے۔ اور غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے معاشرے کی فلاح وبہبود اور اس کی نشو ونما اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے نہایت شاندار اصول بنائے ہیں۔ اور موزوں قیود بھی لگائی ہیں۔ تاکہ توازن برقرار رہے، اس نے تمام غلط کاموں کے راستے مسدود کر دیئے۔ عورتوں کا مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط، عریانیت، فحاشی، غیر محارم کے ساتھ ہنسی مذاق، دل لگی، بے پردگی، یہاں تک کہ ان تمام اعمال خبیثہ

کے چور دروازوں کو یکلخت بند کر دیا۔ اس کی جگہ اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا۔ سنجیدگی اور احترام کی ایک پاک فضا ہموار کی۔ اور ان تمام محرکاتِ انسانیت سے محفوظ رہنے کے لیے اتنے مضبوط اور شاندار اقدامات کیے اور ایسی تمام سزا اور انتظامات کر دیے کہ مفاسد کے گرد تا حفاظت بند ہوئے زہریلے اور اخلاق دشمن جراثیم کے لیے کوئی راستہ نہ رہا کہ وہ گھس کر انسانیت کی صحت پر اثر انداز ہو سکیں۔

شراب پر پابندی عائد کی۔ غیبت و چغلی اور بازاری طرز گفتگو جیسے امراض مہلکہ اور چاپلوسی، ہنسی ٹھٹھا، تکبر جیسے مخربِ اخلاق عادات پر قدغن لگا دی۔ یہی نہیں بلکہ عیاشیوں اور گناہوں کے تمام اڈوں کو منہدم کر دیا۔ اور باہمی الفت و احترام اور ادب و شائستگی کو لازم قرار دیا۔ تمام معبودانِ باطلہ سے انسانیت کا رشتہ توڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دی اور بت پرستی، آفتاب پرستی، کواکب پرستی، قبور پرستی، اشیاء پرستی، شخصیات پرستی غرض کہ تمام پرستیوں کو ایک جھٹکے اور ناقابل معافی جرم قرار دیا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عبادت صرف نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کی ادائیگی کا نام نہیں بلکہ اسلام کے مقاصد کو پورا کرنے کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر اپنی زندگی کا ہر ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق کرنے کا نام عبادت ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

دوسری نصیحت۔

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ

ترجمہ:۔ جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی و شاکر ہو جاؤ تو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دوسری عظیم نصیحت ہے۔ انسانی فطرت کا آرام طلبی کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس کوشش اور آرزو میں رہتا ہے کہ وہ بہت بڑا مالدار بن جائے۔ اور اپنی اس تمنا کی تکمیل اور اپنے اس خواب کو شرمندہ تعبیر بنانے اور اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان جسے خدا اور آخرت کے دن پر کامل یقین ہے، اور وہ یہ جانتا ہے کہ میری ہر حرکت ریکارڈ کی جا رہی ہے۔ اور بعد الموت خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور اپنے کئے کی سزا اور جزا بھگتنی ہے۔ اور اسے اس بات کا بھی اذعان ہے کہ اللہ نے جتنی روزی میرے حصہ میں مقدر کر دی ہے، وہ مجھے بہر حال ملنی ہے۔ تو وہ اپنے معاشی بحران میں کتنا بھی سرگرداں ہو۔ اس کے اوپر کتنے بھی فاقے گذر جائیں، وہ حلال ہی طریقے سے روزی کمانے کی کوشش کرے گا۔ حرام طریقے نہیں

اپنائے گا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اہم نصیحت اس حقیقت
کی نقاب کشائی کر رہی ہے کہ تمہارے خالق نے پیدا کرکے بیکار نہیں
چھوڑا، بلکہ تمہاری ضروریاتِ زندگی کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ اور
جتنی روزی اس نے تمہارے لیے مقدر کر دی ہے۔ اور جتنی آسائشیں
تمہارے حصے میں لکھ دی ہیں۔ تمہیں مل کر رہیں گی۔ چاہے تم جائز
طریقہ اپناؤ یا ناجائز۔ مقرر کردہ روزی اور آسائشیں تمہارے حصہ
میں لکھ دی ہیں، تمہیں مل کر رہیں گی۔ چاہے تم جائز طریقہ اپناؤ یا
ناجائز مقرر کردہ روزی اور آسائش سے زیادہ نہیں پا سکتے۔ اگر انسان
اس پر یقین کرلے کہ دولت ہمارے کسب سے نہیں ملتی۔ بلکہ اللہ کی عطا
اور توفیق سے ملتی ہے۔ تو پھر تحصیلِ دولت کے لیے انسان کوئی بھی غیر اصولی
طریقہ اختیار نہیں کرے گا۔ اور وہ حرص و آز کے تمام بندھنوں سے
آزاد ہو جائے گا۔ اور اسی کیفیت کا نام غنیٰ ہے۔ اب اس مقام
پر قارئین کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جب اللہ نے ہمارے حصے کی روزی متعین
کر دی ہے تو وہ تو ہمیں ملنی ہی ہے۔ لہٰذا ہاتھ پیر چلانے اور جد و تعب
اور کد و کاوش کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ تصور بالکل غلط ہے۔
اسلام ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کو مذموم قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا
ہے کہ تحصیلِ روزی کے لیے تگ و دو کرو۔ لیکن اسلام جو ذمہ داریاں
تمہارے کندھوں پر ڈالتا ہے۔ انھیں پس پشت ڈال دو۔ اور دولت
کمانے کے چکر میں اتنا محو مست ہو جاؤ کہ تمام مذہبی اور اخلاقی

ذمہ داریاں کا قلاوہ گردن سے اتار پھینکو اور ہمہ وقت ہائے دنیا اور ہائے دنیا کی رٹ لگاتے پھرو۔ سیرت کے مطالعہ کا ادنیٰ طالب علم یہ جانتا ہے کہ دورِ رسالت میں صحابہؓ کرام تجارت کرتے تھے۔ اور اچھی خاصی دولت کے مالک تھے۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ عثمان غنیؓ، عمر فاروقؓ اور ابوبکرؓ صدیق۔ یہ وہ ہستیاں ہیں۔ جن کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمیں ترغیب دی گئی ہے۔ اگر آدمی یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ میرے مقدر میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے مجھے ضرور ملے گا۔ یہ توکل نہیں ہے۔ توکل یہ ہے کہ تگ ودو سے منہ نہ موڑا جائے۔ پھر بھروسہ کیا جائے۔۔ وہ تصور قائم کر کے بیٹھ جائیے تو سارا کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ عزوجل کے حکم سے ہو رہا ہے۔ یہاں صرف اسی کا حکم چل رہا ہے۔ اور ساری چیزیں اس کے منشاء کے مطابق ہو رہی ہیں۔ ایسا بالکل نہیں کہ کارخانۂ کائنات اس کی مرضی اور ارادے کے مطابق چل کر کسی اور انداز پر چل رہا ہے۔ نیز اس بات کا بھی یقین کیا جائے کہ خیر و شر، ہدایت و ضلالت کا خالق وہی ہے، اور سب کا ایک قانون اور ضابطہ ہے۔ اللہ کے مخلص پسندیدہ اور شکرگزار بندوں پر جو مصائب و آلام وارد ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ

حادثات اور پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں ۔ یہ سب اللہ کے حکم اور پہلے سے مقرر کردہ ضابطے اور اصول کے تحت آتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں ہر شخص کی جنّت اور دوزخ لکھی جا چکی ہے ۔ لوگوں نے سوال کیا ۔ اے اللہ کے رسولؐ تو پھر ہم اسی لکھے ہوئے پر تکیہ اور بھروسہ کر کے منتظر رہیں اور عمل چھوڑ دیں ۔ آپؐ نے فرمایا عمل کرو ۔ کیونکہ ہر شخص کو اسی چیز کی توفیق ملتی ہے ۔ جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے ۔ وہ خوش نصیب ہے جسے جنتی کاموں کی توفیق ملتی ہے ۔ اور وہ بدنصیب ہے جسے دوزخی کاموں کی توفیق ملتی ہے ۔ اس کے بعد آپ سورہ واللیل کی یہ دو آیتیں پڑھیں ۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مال خرچ کیا ۔ اور تقویٰ کا راستہ اختیار کیا ۔ اور بہترین بات کی تصدیق کی (یعنی اسلام لایا) ، تو ہم اسے اچھی زندگی ۔ (جنّت) کی توفیق دیں گے ۔ اور جس نے اپنا مال دینے میں بخل کیا ۔ اور خدا سے غافل رہا ۔ اور اچھی زندگی کو جھٹلایا تو ہم اسے تکلیف والی زندگی (جہنم) کی توفیق دیں گے ۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے پاس یہ بات مقرر ہے کہ انسان اپنے کون سے عملوں کی وجہ سے جنّت کا حقدار ہوگا ۔ اور کن اعمال سے جہنم میں جائے گا ۔ اب جنت اور جہنم کی راہوں میں سے جس راہ پر

انسان چلنا چاہے، اسے اختیار ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ بالکل آزاد اور بے لگام، بلکہ من وجہ مجبور اور من وجہ آزاد، اور اسی جزو مختاری کی وجہ سے اُسے جزا و سزا ملے گی۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ نصیحت پر عمل پیرا ہونے سے آدمی کے اندر امانت داری، دیانت داری، ایثار، حلال و حرام کا شعور، اور دنیا سے بے پروائی جیسی خصائلِ محمودہ پیدا ہو جائیں گی۔ اب آپ تصور کریں کہ معاشرہ اگر ان اوصافِ حمیدہ سے متصف ہو جائے تو وہ کتنا صاف و شفاف، پاکیزہ، اور کن کن خوبیوں کا مالک ہوگا۔

تیسری نصیحت :-

وَأَحْسِنْ إِلَىٰ جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا

ترجمہ :- اپنے پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو تو مومن بن جاؤ گے۔

انسان مدنی الطبع ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ تمام حیوانوں سے ممتاز ہے۔ انسان دیگر حیوانوں کی طرح انفرادی زندگی نہیں گذار سکتا، کیونکہ اس کی ضروریات کا سلسلہ لامتناہی ہے، اور ان کا پورا ہونا اجتماعیت کے بغیر ممکن نہیں۔ جنگل میں زندگی بسر کرنے جانوروں کے پاس کوئی قانون اور ضابطہ نہیں ہے۔ وہاں جو طاقت کی حکومت ہوتی ہے۔ قوی ضعیف کے حقوق ہڑپ کرنے پر ہی مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ اسے زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ قوانین اور ضابطے انسانوں میں رائج نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ یکجا

اور ذی شعور مخلوق ہے۔ اس کے لیے ایسے اصول اور ضابطے سود مند ہیں، جس میں بقائے باہم کا فلسفہ تسلیم کیا گیا ہو۔ اور مذہب اسلام سے پہلے یہ قانون و فلسفہ کسی نے پیش نہیں کیا۔ مذکورہ نصیحت پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ اس میں اسی بقائے باہم کا بنیادی نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ اس نصیحت میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کا معیار اور کسوٹی قرار دیا گیا ہے کہ جسے اپنے ایمان کے کمال اور تفتیش کو پرکھنا اور جانچنا ہو، وہ یہ دیکھے کہ اس کا پڑوسی اس کی ذات سے مطمئن ہے یا پریشان ہے۔ لہٰذا ایک مومن اگر اپنے ایمان کو درجۂ کمال پر پہنچانا چاہتا ہو تو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ اور اپنی ذات سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ ایک مرتبہ اللہ کی طرف سے پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کی اس قدر تاکید کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق ہوا کہ مبادا ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے مال کا وارث نہ بنا دیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پڑوسیوں کا تم پر بڑا زبردست حق ہے۔ اگر پڑوسی غیر مسلم ہے تو پڑوسی ہونے کے ناطے اس کا صرف ایک حق ہے۔ اور اگر پڑوسی مسلمان ہے تو اس کے دو حق ہیں۔ ایک تو پڑوسی ہونے کا حق، دوسرا اسلامی بھائی ہونے کا حق۔ اور اگر رشتہ دار ہے تو تین حق ہیں۔ ایک ہمسائیگی کا، دوسرے

اسلامی بھائی چارگی کا تیسرے رشتہ داری کا ـــ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بڑی سخت تاکید کی ہے۔

ایک دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ
خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں ہے۔ خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں؛ خدا کی قسم وہ دولت ایمان سے سرفراز نہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا، حضور! وہ کون سا شخص ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔
اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ ۔ یعنی ایسا آدمی جس کی تکلیف سے اس کا پڑوسی مامون نہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں جو کھا پی کر آسودہ حالی میں زندگی کی راتیں گذار رہا ہو۔ اور اس کا پڑوسی تنگ دستی میں فاقے کھینچ کر راتیں گذار رہا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ چوریگا، زنا اور اسی طرح کے دوسرے گناہ، کبیرہ گناہ ہیں۔ لیکن پڑوسی کے ساتھ ایسا کرنے میں ایسے جرموں کا گناہ، دس گنا بڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فلاں عورت کے متعلق یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ نماز و روزہ کی بڑی پابند ہے۔ اور بہت صدقہ و

خیرات کرتی ہے۔ مگر وہ اپنے پڑوسیوں کو زبان سے تکلیف اور ایذا پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ دوزخ میں جائیگی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ ۔ فلاں عورت نماز تھوڑی، روزے تھوڑے اور خیرات تھوڑی کرتی ہے۔ یعنی وہ روزہ و نماز جو فرض ہیں۔ اسے ادا کرتی ہے۔ نفلی روزے اور نمازیں کم ادا کرتی ہے۔ مگر اپنے ہمسایوں کو اپنی زبان سے نہیں ستاتی، یعنی ان کو بُرا بھلا نہیں کہتی، یا ان کے عیوب مشتہر نہیں کرتی، آپؐ نے فرمایا وہ بہشت میں جائے گی۔

ایک اور حدیث پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلے میں آئی ہے۔ کہ تم میں سے جو کوئی شخص جب اپنے بچوں کے لیے خصوصی چیزیں لے کر آئے تو اسے چاہیے کہ بچوں کے ہاتھ میں وہ چیزیں دیکر باہر نہ جانے دے۔ بلکہ اندر ہی انھیں کھلا دے۔ کیونکہ اگر بچے چیزیں لے کر باہر جائیں گے تو پڑوسی کے بچے ان چیزوں کو دیکھ کر اپنے ماں باپ کو پریشان کریں گے۔ اگر زائد ہو تو پڑوسی کے یہاں اس میں سے تھوڑا پہنچا دے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے، جب کوئی آدمی اپنی ہنڈیا بگھارے تو اس بات کا خیال رکھے کہ بہت اچھے بگھار سے اس کا پڑوسی پریشان نہ ہو۔ اور اگر بگھار رہا ہے تو سالن میں تھوڑا اور پانی ڈال دے۔ اور تھوڑا سالن پڑوسی کے پاس بھی پہنچا دے۔

مذکورہ روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اپنے ایمان کو درجہ کمال کی طرف لے جانے کے لیے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا شرط ہے۔

چوتھی نصیحت :-

وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً

ترجمہ :- اور دوسرے لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ تو مسلمان بن جاؤ گے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت اتنی اہم اور عظیم ہے کہ اس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بس میں اتنا کہوں گا کہ اسے مشک کی روشنائی سے کافور کے کاغذ پر لکھ کر نور کے دھاگے میں باندھ کر حوروں کے گلے میں لٹکا دیا جائے تب بھی وہ تابناک ضابطہ ہے، جس نے ہر قسم کے فرق، اونچ نیچ کی دیوار گرا کر تمام انسانوں کو ایک درجہ میں اتار دیتا ہے کہ تخلیق اعتبار سے سب آدم کے بیٹے ہیں اور سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ظاہر ہے کہ حدیث میں ذکر کی ہوئی نصیحت پر آدمی اس وقت عمل پیرا ہوگا، جب اس کے اندر دوسرے انسانوں کے تئیں جذبۂ اخوت پیدا ہو جائے۔ آدمی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، دوسروں کے لیے وہی اس وقت پسند کرے گا، جب وہ دوسرے کو اپنے سے حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ بلکہ اسے اپنا بھائی سمجھ کر اس سے خلوص و محبت

کے ساتھ پیش آئے۔ حقیقت میں حدیث کے اندر بیان کی ہوئی نصیحت تمام نسلی امتیازات اور نسبی غرور و تکبر کو شاد دیتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ کسی گورے کو کالے پر، کسی عربی کو عجمی پر، کسی امیر کو غریب پر اور بادشاہ کو غلام پر کوئی فضیلت نہیں کیونکہ سب آدم کی اولاد ہیں۔ ہاں فضیلت صرف تقویٰ کے اعتبار سے قائم کی جائے گی۔

آپ نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ آپ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ جیسا خود پہنتے انہیں پہناتے، خاندان قریش کی ایک آزاد عورت جو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے کرایا۔ بلال حبشی رض کا رشتہ حضرت عبداللہ بن عوف رض جیسے معزز اور مالدار آدمی کے یہاں کرا کے ان کی بہن سے نکاح کرایا۔

خاندانی فخر و مباہات کو حرام قرار دیا۔ نسلی امتیاز کے عفریت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاکستر کر دیا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

آج میں تمام جاہلانہ طبقاتی اور خاندانی عصبیتوں کو اپنے پیروں تلے روندتا ہوں۔ مساوات کے اسی زرین اصول نے ظلم کی چکی میں پس رہی انسانیت کو اپنی طرف کھینچا اور تمام مظلوم اور نسلی عصبیتوں کے نیچے پس کراہ رہی قوموں نے اسلام کو اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ اور اسے اپنے سینے سے لگایا۔ کشمکش اور اضطراب

کی گرمی دھوپ میں جھلستی ہوئی انسانیت نے اسلام کے شجر سایہ دار کے نیچے آ کر پناہ لینا شروع کیا۔ اسلام کے اس درخشاں اصول کو کہ جو اپنے لیے پسند کرو، دوسروں کے لئے بھی پسند کرو، ہم نے اپنی غفلت، لاپرواہی اور بے عملی کی وجہ سے فراموش کر دیا ہے،

پانچویں نصیحت :-

وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ

ترجمہ :- اور زیادہ مت ہنسو، کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے،

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں نصیحت ہے یعنی نقطۂ نظر سے بھی زیادہ ہنسی انسان کے لیے مضر ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آدمی کے ہنسنے کے اسباب کیا کیا ہیں۔

ایک سبب تو اس کا یہ ہے کہ آدمی کو کسی ذمہ داری کا احساس نہ ہو۔ کیوں کہ ذمہ دار آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ ہمیشہ قہقہوں اور خوش گپیوں میں مصروف رہیں۔ ذمہ داری کا احساس برابر انھیں قسم قسم کے افکار میں مبتلا کئے رہتا ہے۔ ہمیشہ ہنستے رہنے والے آدمی کے سلسلے میں ایک ذی شعور آدمی یہ فیصلہ آسانی سے کر سکتا ہے کہ اسے نہ دنیا کی فکر ہے، نہ عقبیٰ کی۔

کثرت ضحک سنجیدگی کے منافی ہے۔ آدمی جتنا زیادہ غیر سنجیدہ ہوگا۔ اس کا اندر احساس ذمہ داری اتنا ہی کم اور دھندلا ہوگا۔ اور اسلام ایک ذمہ دارانہ زندگی گذارنے کی تاکید کرتا ہے اور

یہ سمجھتا ہے کہ انسان کے ہر ہر قول و عمل کا ایک نتیجہ قیامت کے دن سامنے آنے والا ہے۔ اب اس کی حقیقی فکر انسان کرے گا اتنی ہی اپنے رویہ میں سنجیدگی اور احتیاط برتے گا۔

کثرتِ ضحک (زیادہ ہنسی) کے دوسرے اسباب یہ ہیں کہ انسان دوسرے کی تحقیر و تذلیل، اظہارِ عیب و عیب، تمسخر و استہزاء، بے بے ہودہ و گندی باتیں سننے سنانے میں شوق و دلچسپی رکھے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ تمام امراض انتہائی گندے ہیں۔ یہ تمام مذموم و معیوب حرکتیں انسان کی اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتی ہیں۔ اور بد اخلاق انسان نہ تو اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے، نہ کسی صالح معاشرہ کی نگاہ میں محبوب، بلکہ ایسا انسان دامنِ انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے۔ اسلام نے اگر ایک جانب عبادت کے صحیح طریقہ کی جانب رہنمائی کر کے اللہ کے بندے کے درمیان ایک رشتہ پیدا کیا ہے، تو دوسری جانب دنیا کے اندر زندگی گزارنے کا ایسا سلیقہ بتایا ہے جس کی بدولت انسانی معاشرہ کی فضا خوشگوار رہے اور آپس میں لوگ محبت و اخوت کے حسین ماحول میں سانس لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کے اخلاق و معاملات ٹھیک ٹھاک کریں۔ اور برے اخلاق سے بد اخلاقی و بد معاملگی کی جڑ اکھاڑ پھینکیں۔ اسی کا نام تزکیہ ہے۔ جو مقصدِ بعثتِ نبوی ہے۔